شہبازِ عالمِ تکوین

حضرت عمرؓ کا روحانی مقام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى امابعد

پاک ہے وہ ذات جس نے حکم کُنْ سے کائنات کو تکوین بخشی اور عالم تکوین اسی کے ارادہ وحکم سے ایک نظام میں چل رہا ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے اس نے عالم تشریع بنایا اور اسے اشرف المخلوقات کا شرف بخشا۔ اس کی غایت یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے حکم خالق بجالائے اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرے عالم تشریع اور عالم تکوین دونوں کا قیام اسی ایک ذات سے ہے۔ اور بے شک ہر امر کا مبداء اسی کی ذات ہے۔ بنی نوع انسان ہمیشہ سے عالم تشریع کے ماتحت ہیں گو ان کا وجود عالم تکوین سے ہے۔ دیکھئے:۔ پ۲۵ الشوریٰ ع ۲ آیت ۱۳

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى۔

ترجمہ:۔ اس نے راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جس کا اس نے حکم نوح کو کیا تھا اور جس کا حکم ہم نے تیری طرف بھیجا اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ موسیٰ اور عیسیٰ کو کیا اور اپنے امر کی اس طرح خبر دی:۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (پ۱۳ الرعد آیت ۲)

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنائے اونچے آسمان، تم انہیں بغیر ستون کے دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر قائم ہے اور کام پر لگا رکھا ہے اس نے چاند اور سورج کو ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر پر، تدبیر کرتا ہے امر کی "

دونوں کا مبداء اسی کی ذات ہے اسے اس طرح بیان فرمایا۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ پ۸ الاعراف ع ۱۴ آیت ۵۴

ترجمہ:۔ سن لو اسی کے لیے ہے عالم خلق اور اسی سے عالم امر۔ بڑی برکت والا ہے جو پالنے والا ہے سب جہانوں کا۔

عالمِ تشریع میں اس کے نائبین انبیاء و مرسلین ہیں اور عالمِ تکوین میں ملائکہ مقربین اس میں کچھ اختلاف ہے کہ دونوں میں افضل کون ہے۔ فیصلہ انسان کے حق میں ہؤا اور تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ ریز ہوئے) یہ صحیح اللہ رب العزت کی تکوینی قدرتوں کا ظہور بیشتر ملائکہ کے ذریعے ہوتا ہے مگر کبھی اللہ تبارک و تعالےٰ شانِ تکوین کی جھلک انبیائے علیہ السلام پر بھی ڈالتے ہیں۔ اس موقع پر پیغمبروں کے معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ معجزہ اصل میں فعل الٰہی ہوتا ہے۔ مگر اس کا ظہور پیغمبر کے ہاتھوں ہوتا ہے اسی طرح امورِ تکوینی جیسے زمین کی گردش، آندھیاں اور زلزلے احیاء و اماتت سب حکمِ الٰہی سے ہوتے ہیں۔ گو ان کا ظہور فرشتوں کے ذریعہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ احد پر تھے کہ زلزلہ آیا۔ یہ سب تکوینِ الٰہی سے تھا اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکوین کی جھلک ڈالی تو آپ نے کہا:۔

اثبت احد فانما علیک نبیٌّ وصدّیقٌ وشھیدان[1]

ترجمہ:۔ اے اُحد سکون کر تجھ پر ایک نبیؐ ایک صدّیقؓ اور دو شہیدؓ کھڑے ہیں) پھر کیا تھا؟ — زلزلہ رُک گیا۔ اِن چار بزرگوں میں دو بالفعل اپنے وصف سے موصوف تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدّیقؓ نبوت اور صداقت اپنی جگہ موجود تھی اور دو آئندہ اس وصف سے موصوف ہونے والے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ، جنہوں نے بعد میں مرتبہ شہادت پایا۔ یہاں صرف یہ بات لائق توجہ ہے کہ جو زلزلہ امرِ الٰہی سے آ رہا تھا۔ اسے روکنے والا حقیقت میں وہی تھا مگر یہ امرِ تکوین لسانِ نبوت سے ظاہر ہؤا اور زلزلہ رُک گیا۔ یہ تکوینِ الٰہی کا ظہور اور نبوت کا اعتراف ہے۔ انبیائے کرامؑ پر اپنی زندگی میں چند ایسے مواقع ضرور آتے ہیں جب ان پر تکوین کی تجلی پڑتی ہے اور معجزات کا صدور ہوتا ہے اور باقی تمام انسان اس سے عاجز ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں

اس وقت سورہ اعراف کی آیت اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کی طرف توجہ دلانا ہے جہاں امر کو خلق کے مقابل رکھا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مدّ بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک خلق دوسرا امر۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ اِن مخلوقات

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۵۱۹

کو ایک معین نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تعریف کہہ سکتے ہیں یہ امر ہوتا .... گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانے کی طرح۔ جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں ... حق تعالےٰ نے اول آسمان اور زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو خلق کہتے ہیں ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے تقدیر کہتے ہیں۔ کل پُرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے تصویر کہتے ہیں ... یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام پر لگانا ہے لگا دیا جائے آخر مشین کو چالو کرنے کے لیے امر الٰہی کی بجلی چھوڑ دی گئی ہے شاید اس کا تعلق اسم باری سے ہے

(موضح الفرقان ص ۳۷۹)

عالم خلق میں انسان کو اپنے ارادہ و اختیار سے چلنا سکھایا اور اوپر ایک قانون مقرر کر دیا یہ عالم تشریع ہے اور جس میں کسی کے ارادہ و اختیار کا دخل نہ ہو اسے حکم کُنْ سے وابستہ کیا یہ عالم تکوین ہے۔ عالم کی تقدیر و تصویر اور تدبیر سب اسی کے حکم سے ہے۔ صرف ایک تخلیق میں کچھ مخلوق کو مکلف کیا کہ وہ ارادے کا قدم اٹھائے اور اپنے اختیار سے ہماری مرضیات میں چلے یہ تشریع کا ایک سایہ ہے جو رب العزت نے انسان پر ڈالا

بعض علمائے کرام نے اسے مجاز قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ حقیقت ہے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ساتھ ہی پہاڑ پر پاؤں سے ایک ضرب لگائی تھی ان مواقع پر انبیائے کرام کو اذن خدا تعالےٰ سے ملتا ہے اور یہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح فرشتے خدا سے ماذون ہوتے ہیں اور ان کا تصرف خدا کی شانِ تکوین کے تحت وقوع میں آتا ہے ادھر "کُن" کہا ادھر کائنات وجود میں آگئی حکم ہوا اور مدبرات سب اپنے اپنے عمل پر لگ گئے۔ مجال ہے کہ اس میں کسی کی اپنی رائے یا سمجھ راہ پا سکے یا اس میں کسی قسم کا تخلف واقع ہو۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ انبیاء علیہ السلام کا تعلق اصلاً عالم تشریع سے ہے اور فرشتوں کا عالم تکوین سے۔ گو انبیاء علیہم السلام کی افضلیت ظاہر کرنے کے لیے کبھی ان کے ہاتھوں بھی ایسا ہوا کرے۔ اور ان کے معجزات ظاہر ہوں

عالم تشریع میں سب سے اونچا مقام نبوت و رسالت کا ہے یہ حضرات بنی نوع انسان پر خدا کی حجت ہوتے ہیں اور ان کا علم ان سب کے لیے جہاں تک ان کی بات پہنچے واجب التسلیم BINDING ہوتا ہے ان کے علم میں قطعیت ہوتی ہے اور اس کا انکار کفر قرار پاتا ہے۔ نبوت کے نیچے مجتہد کا مقام ہے اور اس کا اجتہاد غیر مجتہدین کے لیے بشرطیکہ وہ کسی اور مجتہد کے پیرو نہ ہوں حجت ہوتا ہے گو اس کے قول میں قطعیت نہیں ہوتی نہ اس کا انکار کفر ہوتا ہے لیکن یہ بات اپنی

جیگ درست ہے کہ مجتہد دین کی جو بات بھی کہتا اپنی طرف سے نہیں کہتا نہ اسے خدا کی طرف سے براہِ راست کوئی علم ملتا ہے وہ صرف شریعت کے امور خفیہ کا مظہر ہوتا ہے اور چونکہ اس اظہار اور استخراج میں خدائی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ مجتہد کی بات نبی کی بات کا درجہ نہیں رکھتی اور اس میں صواب اور خطا دونوں کی گنجائش رہتی ہے۔

نبی پر جب خدا کی طرف سے شانِ تکوین کی جھلک آئے تو اس کی اس حیثیت میں اس کے نیچے محدثیت کا مقام ہے محدث وہ حضرات ہوتے ہیں جو نبی تو نہیں لیکن خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے اور ان کے قلوب میں وہ حقائق اتارے جاتے ہیں کہ پھر شریعت بھی ان کے مطابق بیٹھتی ہے اور حقائق و واقعات ان کے مطابق اترتے ہیں۔

عالمِ تشریع نبوت کا مستقل دائرہ ہے اور اس کے نیچے مجتہد کا مقام ہے۔ سو مجتہد اس امت میں بہت ہوئے ہیں۔ عالمِ تکوین نبوت کی کبھی کبھار کی سیرگاہ ہے سو محدث اس میں کم ہوئے ہیں۔

عالمِ تکوین کے ان مسافروں میں سب سے اونچی پرواز محدث کی ہے۔ ان کا ظن ہمیشہ صادق نکلتا ہے، عالمِ تشریع کی پرواز کرنے والے مجتہد کے لیے ضروری نہیں کہ ہمیشہ درست نکلے اس میں خطا بھی راہ پا سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر (صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۱۰۹۲)

ترجمہ:۔ جب حکم کرنے والے نے جب اجتہاد سے کام لیا اور صحیح بات پالی تو اسے دو اجر ملیں گے۔ اور اگر مجتہد نے خطا کی (صحیح بات کو نہ پہنچ سکا) تو اسے صرف ایک اجر ملے گا۔

تشریع (قانون سازی) میں اجتہاد سے چارہ نہیں جس میں اجتہاد کی شرائط پائی جائیں اور وہ اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہو تو اگر وہ خطا بھی کرے تو بھی یہ ایک اطاعت ہے جس پر وہ اجر کا مستحق ہے۔ شریعت ہر دور کی ضرورت کو اسی راہ سے شامل رہی ہے۔ یہاں صحیح بات تک پہنچنے والا اور خطاکار دونوں مثاب و ماجور ہیں۔ مجتہد صحیح بات تک پہنچنے کی پوری کوشش کرے اور اس کے لیے محنت کرے اس لیے اسے دو اجر پانے کی رغبت دلائی گئی۔ حضور صلعم نے اگر یہ فرق نہ بتلایا ہوتا تو بہت سی ہمتیں کمزور پڑ جاتیں۔ اسلام کا دعوے جامعیت اسی راہ سے قانون کی ایک شاہراہ بنا رہا ہے اور اسی جہت سے اسلام میں ہر مسئلے کا جواب ملتا رہا ہے۔

اسلام دین تو سب کے لیے ہے مگر اسے صرف مجتہد سمجھ پاتے ہیں قرآن پاک میں عالم سے مراد یہی پختہ علم کے لوگ ہیں

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (پ ۲۰ عنکبوت ع ۱۵ آیت ۴۲)

ترجمہ :- اور یہ کہاوتیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور ان کو بوجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے پس دوسروں کے لیے راہ یہی ہے کہ وہ غیر منصوص مسائل میں (اور اسی طرح ان منصوص مسائل میں جن میں صحابہ کرامؓ عملاً مختلف ہوں) کسی مجتہد کی پیروی سے چلیں اور وہ مجتہد بھی ایسی شخصیت ہو جس کا مجتہد ہونا اُمت میں کسی معرضِ خفا میں نہ ہو جو خود پردہ میں ہو گا وہ شریعت کے امور خفیہ کا کیا اظہار کرے گا۔ مجتہد مخطی بھی ہو تو ایک اجر کا ضرور مستحق ہوتا ہے۔

یہ مقام صرف نبوت کا ہے کہ اس میں غلطی راہ نہ پائے اس کے قریب قریب محدث کا مقام ہے اس کی بات میں گو نبی کی طرح قطعیت نہیں ہوتی لیکن وہ صادق الظن ضرور ہوتے ہیں ان کا یہ ظن شرعی دلیل نہیں ہوتا وہ نبوت کی تصدیق سے شرعی دلیل بنتا ہے۔ نبوت اور رسالت کو اللہ تبارک نے یہ امتیاز دیا ہے کہ شیطان ان کی بات میں اپنی بات نہ ملاسکے وہ ایسا کرے بھی تو اللہ تعالیٰ ان شبہات و وساوس کو مٹا دیتے ہیں اور بقا صرف محکم باتوں کو ملتی ہے اور محکم یہی ہے کہ اس میں پختگی ہو اس کے ساتھ اگر کوئی مقام ہے تو وہ محدث کا مقام ہے۔ محدث اور عام ملہم میں فرق ہے تو یہ کہ الہام کبھی شیطانی بھی ہوتا ہے لیکن محدث وہ حضرات ہیں جن کا ظن بھی درست بیٹھتا ہے اس اعتبار سے یہ انبیاء کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (پ ۱۷ الحج آیت ۵۲)

ترجمہ :- اور ہم نے جو رسول یا نبی آپ سے پہلے بھیجا سو جب اس نے پڑھا تو شیطان نے اس کی پڑھائی میں اپنی بات چلائی پھر اللہ تعالیٰ مٹا دیتے ہیں شیطان کی ڈالی بات کو اور پکا کر دیتے ہیں اپنی بات کو اور وہ خبر رکھتا ہے حکمتوں والا

حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس آیت کی قراءت یوں کرتے تھے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ .... الآیۃ

ترجمہ :۔ اور ہم نے جو رسول یا نبی یا محدث تجھ سے پہلے بھیجا اور شیطان نے اس کی بات میں اپنی بات چلائی تو اللہ تعالیٰ مٹا دیتے ہیں شیطان کی ڈالی بات کو اور پکا کرتے ہیں اپنی بات کو حضرت امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ قرأت بھی نقل کی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ نَّبِیٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ [1]

اس سے قرأت مشہورہ میں شک نہیں پڑتا۔ قرآن کریم سات مختلف قرأتوں میں اترا ہے اور ہر قرأت اپنے درجہ میں حق ہے۔ قرأت متواترہ مشہورہ کا منکر کافر ہے اور جو خلاف قرأت صحیح سند سے منقول ہو اس کا درجہ حدیث صحیح کا ہے اس پہلو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محدّث کی بات بھی دخل شیطانی سے محفوظ رکھی جاتی ہے اور ان کا گمان جو القاء ربانی پر مبنی ہوتا ہے ہمیشہ سچ بیٹھتا ہے۔ اور ایسا ہی نکلتا ہے جیسے کسی نے یہ بات اسے پہلے سے بتا دی ہو۔ صحابی کی قرأت صحیح حدیث کے حکم میں ضرور ہے۔

اِس اُمّت کے پہلے محدّث

یوں تو اس اُمّت میں کئی محدّث ہوئے ہوں گے لیکن جس ہستی کے محدّث ہونے پر لسانِ رسالتؐ کی شہادت موجود ہے اور اس کی رائے نے بارہا وحی خداوندی سے تصدیق پائی ہے وہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کے باعث آپ کو اس روحانی مقام پر فائز و سائر سمجھنا ضروری ہے اور یہی اہلِ حق کا اعتقاد ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا

قد کان فیما قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی اُمتی احد فعمر [2]

ترجمہ :۔ بے شک تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوئے تھے جنہوں نے خدا سے شرف ہمکلامی پایا لیکن وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہیں

دوسری روایت میں ان کیلئے لفظ محدّث وارد ہے۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۱

" قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء فان یک فی امتی منہم احد فعمر " [1]

ترجمہ:۔ بے شک تم سے پہلی امتوں میں بھی محدث ہوئے ہیں میری اُمّت میں کوئی ہے تو وہ عمر فاروق ہیں۔

یہ روایت خبر عزیز ہے، تواتر کے قریب ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ بے شک اس امت کے محدث تھے۔ آپ نبی نہ تھے لیکن خدا ان سے ہم کلام ہوتا تھا۔ وہ القائے ربانی سے نوازے جاتے تھے۔ صادق الظن تھے۔ صواب ان کی زبان پر جاری تھا اور ان کا گمان ہمیشہ سچ نکلتا تھا۔ آپؓ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کوئی بات کہہ دیتے تو لیا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی بات مان لیتے اور پھر تاریخ اس کی تصدیق کرتی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام علالت میں حسبنا کتاب اللہ کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی منظور فرمالیا۔

چھٹی صدی کے جلیل القدر محدث حافظ ابن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں۔

قد کان فی الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فعمر بن الخطاب ۔۔۔ جاء فی الحدیث تفسیرہ انھم ملھمون والملھم ھوالذی یلقی فی نفسہ بشئ فیخبرہ بہ حدسا و فراسۃ وھو نوع یختص بہ اللہ عزوجل من یشاء من عبادہ الذین اصطفی مثل عمر کانھم حدثوا بشئ فقالوہ [2]

ترجمہ:۔ پہلی امتوں میں بھی محدث گزرے ہیں میری اُمّت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ وہ صاحب الہام ہوتے ہیں۔ ملہم وہ ہے جس کے جی میں کوئی بات ڈالی جائے اور وہ اس کی اپنی فہم و فراست سے خبر دے سکے اور محدث ہونا اس کی ایک خاص نوع ہے جس پر اللہ عزوجل اپنے چنے ہوئے بندوں میں سے جس کو چاہیں سرفراز فرماتے ہیں جیسے حضرت عمرؓ تھے گویا انہیں کچھ بتایا جاتا ہے اور وہ اسے آگے کہہ دیتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۱ ، [2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۶

امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

قال ابن وهب ملهمون وقيل مصيبون اذا ظنوا فكانهم حدثوا بشيئ فظنوه و قيل تكلمهم الملئكة وجاء في رواية مكلمون وقال البخاري يجري الصواب على السنتهم و فيه اثبات كرامات الاولياء ؎۱

ترجمہ:۔ عبداللہ بن وہب کہتے ہیں محدث سے مراد ملہم لوگ ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صادق الظن ہوتے ہیں ان کا گمان بھی درست بیٹھتا ہے گویا انہیں کوئی بات بتائی جاتی ہے اور وہ اس پر رائے قائم کر لیتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے ان سے باتیں کرتے ہیں۔ بعض روایات میں ان کے لیے مکلمون کا لفظ بھی آیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں۔ حق اور صواب ان کی زبانوں پر گردش کرتا ہے۔ اس حدیث سے اولیاء کے لیے کرامات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

المحدّث بالفتح و هو الرجل الصادق الظن و هو من القى في روعه شئ من الملأ الاعلى فيكون كالذي حدثه غيره و بهذا جزم ابو احمد العسكري ؎۲

ترجمہ:۔ محدث کا لفظ دال کی زبر سے ہے اس سے صادق الظن بزرگ مراد ہیں۔ ان کے قلوب میں ملاء اعلیٰ سے کوئی چیز ڈالی جاتی ہے اور پھر اسی طرح ہوتا ہے جیسے انہوں نے اس کی کسی کو خبر دی تھی۔ ابو احمد عسکری نے یہ بات بڑے یقین سے کہی ہے

علامہ محمد بن طاہر فتنی (۹۸۶ھ) لکھتے ہیں۔

محدّث بروزن معمّر وہ شخص ہے جس سے بات کی جائے یعنی اس کے دل میں عالم غیب سے الہام ہوتا ہے یا فرشتے اگر اس سے باتیں کرتے ہیں یہ صفت احادیث صحیحہ میں حضرت عمر فاروق کے لیے وارد ہوئی ہے۔ مجمع البحار جلد ۳ صد

شیطان کے تسلط سے خدا کی حفاظت میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کے چیدہ حضرات جنہیں وہ اپنے بندے کہے وہ شیطان

؎۱ شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۶، ؎۲ فتح الباری

کے تسلط سے خدا کی حفاظت کے سائے میں ہیں لیکن ان میں کچھ ایسے کاملین بھی ہیں کہ اگر شیطان ان پر اتری بات میں اپنی بات ڈالے بھی تو اللہ تبارک و تعالےٰ فوراً اس شیطانی زنجیر کو کاٹ دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے شیطان کو پہلے ہی کہہ دیا تھا

ان عبادی لیس لك علیهم سلطان ﴿ بنی اسرائیل ع، آیت ۶۵ ﴾

انبیائے و مرسلین کے ساتھ صرف محدث ہیں جو اس کامل حفاظت سے نوازے جاتے ہیں۔ سورۃ حج کی مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کس طرح ان پاک لوگوں کی بات میں اپنی بات داخل کرتا ہے اور اللہ طرح پھر کس طرح ان کی حفاظت فرماتا ہے اور شیطان کی بات کو کاٹ دیتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت سے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرکے شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت حرم علیکم المیتة پڑھ کر سنائی۔ شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام ہے یا آپ نے آیت انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم دپ پڑھی اس نے شبہ ڈالا کہ ما تعبدون من دون الله میں حضرت مسیح، عزیر اور ملائکہ بھی شامل ہیں یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا کلمة الله القاها الی مریم و روح منه شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیح کی ابنیت و الوہیت ثابت ہوتی ہے اس القار شیطانی کے ابطال ورد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالےٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے گویا متشابہات کی ظاہری سطح کو شیطان جو اغوا کرتا ہے۔ آیات محکمات اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔ جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں (تفسیر عثمانی ص ۴۴۸)

پیش نظر رہے کہ سورہ حج کی اس آیت میں تمنّیٰ بمعنی قرأ ہے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت سیدنا حضرت عثمانؓ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

تمنّیٰ کتاب اللہ اوّل لیلة ۔۔۔ وآخره لاقی حمام المقادر

اس آیت سے یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو گئی کہ نبی اور رسول اللہ سے جو علم لائیں اس

پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا پورا پہرہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اپنی قرأت میں محدّث کا لفظ بھی پڑھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدث بھی اسی صیانت اور حفاظت میں داخل ہیں جو انبیائے کرام کے لیے موعود ہے اس اُمّت میں یہ مقام حضرت عمر فاروقؓ کو ملا ہوا تھا ان کے دل میں ملاء اعلیٰ اور عالمِ غیب سے حقائق اترتے تھے پھر وحی رسالتؐ سے بات نکھرتی تو بالکل اس کے مطابق اترتی تھی چونکہ قطعیت کا مقام صرف نبوت و رسالت کا ہے اس لیے آپ اپنی بات کو پیرایۂ ظن میں سامنے لاتے لیکن پھر بھی صادق الظن نکلتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدّث بھی خدائی حفاظت کے سایہ میں اپنی بات کہتا ہے اور اس پر رسالت کا پرتو پڑتا ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔

بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں۔ حظیرۃ القدس (دربارِ خداوندی) کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس (دربار خداوندی) میں مقدر ہو چکا ہو۔ اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں پس جب اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کرلی اور دربارِ الٰہی میں راستے کا قدم پکا کرلیا اور رفیقِ اعلیٰ میں مقام صدق پالیا تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پرتو نیک بندوں پر پڑ جاتا ہے [۱]

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں

کمالاتِ راہ نبوت، اربابِ کمال کی بصیرتوں کو کحل قدسی سے سرمگیں کر دیتے ہیں اور کحل قدسی کے سبب ان کی بصیرتوں کا نور حدّت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں۔ اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کماحقہ دریافت کر لیتے ہیں [۲]

حضرت عمرؓ کی قدسی آنکھ کا ادراک

حضورؐ نے بلا وجہ حضرت عمرؓ کے محدث ہونے کی خبر نہ دی تھی آپؐ نے ان کی قدسی

آنکھ کے ادراک کو پوری طرح بھانپ لیا تھا پھر اسی قدسی آنکھ کے کمالات صحابہؓ نے خطبے میں بھی دیکھے کہ ہزاروں میل کے فاصلے سے "یا ساریہ الجبل" کی آواز دے رہے ہیں اور نماز میں حقائق آپ پر بلا التفات اس طرح کھلتے کہ اسلامی لشکر کی پوری تیاری آپ پہ اتار دی جاتی اور پھر اس قدسی آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہوتا وہ عالم وجود کا لباس پہنتا۔

لوگ کہنے لگے ساریہ یہاں کہاں ہیں وہ تو عراق گئے ہوئے ہیں حضرت علی مرتضیٰ نے انہیں بات کرنے سے منع کیا فرمایا

دعوا عمر فانه ما دخل فی شئی الا خرج منه ؎۱

(ترجمہ) حضرت عمر کو رہنے دو (ان پر سوال نہ اٹھاؤ) آپ جب بھی کسی بات میں پڑے آپ کے پاس اس کا حل ضرور ہوتا ہے۔

زیادہ دن نہ گزرے کہ ساریہ عراق سے واپس آئے اور انہوں نے بتایا کہ:-

سمعت صوت عمر فصعدت الجبل ؎۲

(ترجمہ) میں نے وہاں حضرت عمر کی آواز سنی تھی اور میں پہاڑ پہ چڑھ گیا تھا۔

وہ آواز کیا تھی؟

یا ساریہ الجبل من استرعی الذئب ظلم -

(ترجمہ) ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جا جس نے بھیڑیے کی رعایت کی اس نے ظلم کیا

عالم تکوین کے مسافر کہاں تک اڑتے ہیں اسے شرائع میں تلاش نہ کریں بلا التفات لشکروں کو ترتیب دینا کیا کسی کے بس کی بات ہے اگر نہیں تو یہ ایک تکوین کی جھلک ہے جو اس ناز کے ہرگز منافی نہیں جو کاملین کا حصہ ہے۔

اس عظیم تر روحانی شان کے باوجود ان مشاہدات کا حاصل وہ شرعی درجہ نہیں رکھتا جو پیغمبر کی بات کو حاصل ہوتا ہے۔ پیغمبر کا علم رسالت کی راہ سے دوسروں کے لیے حجت بنتا ہے۔ محدث کی بات اس ربط عالم علوی کی راہ سے دوسروں کے لیے حجت اور واجب التسلیم نہیں ٹھہرتی۔ حضرت عمرؓ کی بات صحابہ کرامؓ کے لیے خلافت کی راہ سے سند بنتی تھی۔ اولیاء اللہ کو، گو وہ محدث کے درجہ تک پہنچے ہوں، الہام کے ذریعے جن امور کی خبر دی جاتی ہے اور جو حقائق و معارف ان پر کھلتے ہیں ان کا علم دینی نوعیت کا نہیں ہوتا یہ کچھ انتظامی قسم کے امور ہوتے ہیں یا کچھ خدائی

؎۱ اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۴۵ کنز العمال جلد ۶ صہ ۳۲۳ ؎۲ سیرت سیدنا عمر لابن الجوزی صہ ۱۵۰۔

اشارات جو نصوص کا درجہ نہیں رکھتے؟ اوران کو وہی لوگ سمجھ پاتے ہیں جنہوں نے اس روحانی دائرہ میں کبھی قدم رکھا ہو۔

یہ بات صحیح ہے کہ الہامات و معارف مقام اجتہاد کو نہیں پہنچتے، مجتہد کا اجتہاد دوسروں کے لیے جو اجتہاد کے درجہ کے نہیں حجت اور سند ہوتا ہے۔ مگر اہل باطن کا کشف ازروئے قانون دوسرں کے لیے سند نہیں بنتا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں۔

قیاس و اجتہاد اصلی است از اصول شرعیہ کہ ما بر تقلید آں ماموریم بخلاف کشف و الہام کہ ما را بتقلید آں امر نفرمودہ اند۔ الہام بر غیر حجت نیست و اجتہاد بر مقلد حجت است

ترجمہ:۔ قیاس اور اجتہاد ماخذ شریعت میں ایک ماخذ ہے ہمیں اس میں تقلید کا حکم ہے بخلاف کشف والہام کہ ہمیں اس کی تقلید کا حکم نہیں دیا گیا۔ کسی ولی کا الہام دوسرے پر حجت نہیں اور مجتہد کا اجتہاد مقلد پر شرعاً حجت ہوتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ملاءِ اعلیٰ میں پرواز کرنے والے کسی درجے میں کم ہیں۔ نہیں، قانون کی دنیا اور ہے اور تکوین کی دُنیا اور۔ مجتہد کی نظر کتاب وسنت میں گڑی رہتی ہے اور ارباب ولایت زمین و آسمان کے آگے چلتے ہیں۔ اور کبھی آسمانوں میں اڑتے ہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں۔

الہام مثبت حل و حرمت نبود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نہ نماید ارباب ولایت خاصہ با عامہ مومنین در تقلید مجتہداں برابراند، کشف و الہامات ایشاں را مزایت نے بخشد و از ربقہ تقلید نے برآرد ذوالنون و بسطامی، جنید و شبلی با زید و عمرو بکر و خالد کہ از عوام مومناں اند در تقلید مجتہداں در احکام اجتہادیہ مساوی اند آرے مزیت ایں بزرگواراں در امور دیگر است اصحاب کشوف و مشاہدات ایشانند و ارباب تجلیات و ظہورات ہم ایشانند کہ بواسطہ استیلائے محبت محبوب حقیقی جل سلطانہ از ماسوائے او تعالیٰ گسستہ اند و از دید و دانش غیر و غیریت آزاد گشتہ اگر حاصل دارند او را دارند و اگر واصل اند او را واصل اند در عالم بے عالم اند و با خود بے خود اند اگر مے زیند برائے او مے زیند و اگر میرند برائے او میرند

ـ مکتوبات دفتر اول ص۳۴۲   مکتوبات دفتر ۲ ص۱۰۵

ترجمہ :- الہام سے کسی چیز کا حلال یا حرام ثابت نہیں ہوتا اور اہلِ باطن کے کشف سے کسی چیز کا فرض یا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ولایت خاصہ کے حضرات مجتہدوں کی تقلید کرنے میں عام مسلمانوں کے ساتھ برابر ہیں۔ کشف و الہام انہیں کوئی امتیاز نہیں بخشتا اور انہیں تقلید کے پٹے سے باہر نہیں کرتا۔ حضرت ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور شبلی زید و عمر اور بکر و خالد کہ عام مسلمانوں سے ہیں۔ ان کے ساتھ ہیں اور غیر منصوص مسائل میں تقلید مجتہدین کی پابندی میں ان کے برابر ہیں ۔ ہاں ان بزرگوں (ارباب ولایت) کا امتیاز دوسرے امور میں ہے۔ کشف و مشاہدہ کی دولت پانے والے یہی حضرات ہیں، تجلیات انہیں پر آتی ہیں اور حقائق کا ظہور انہی پر اترتا ہے۔ یہ لوگ محبوبِ حقیقی کی محبت کے غلبہ میں اس کے سوا ہر چیز سے کٹے ہوتے ہیں۔ اس کے سوا ہر ایک دید و دانش سے آزاد ہیں اگر ان کے لیے کوئی حاصل ہے تو وہ اسی کی ذات ہے اور وہ واصل ہیں تو اسی کے واصل ہیں وہ یہاں رہتے ہوئے بھی اس عالم کے نہیں اور اپنی شخصیت کے باوجود وہ اپنے آپ میں نہیں ہوتے اگر وہ زندہ ہیں تو اسی کے لیے اور مرتے ہیں تو اسی کے لیے ۔

عالم تشریع میں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سب سے اونچا مقام نبوت اور رسالت کا ہے اور عالم تکوین میں ملائکہ کا۔ نبوت اور رسالت کے نیچے مجتہد کا مقام ہے۔ اور ملائکہ کے بعد وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جس میں فالمدبرات امرا میں داخلہ ملا ہو۔ اس دائرہ میں سب سے اونچی پرواز محدث کی ہے۔ وہ تشریعاً گو نبوت کے ماتحت ہوتا ہے۔ مگر تکویناً اس کا ربط عالم علوی سے ہوتا ہے جو یہ مقام پالے۔ پھر اس کے دل میں توارے کی طرح عام لوگوں کی خیرخواہی موجزن ہوتی ہے اس نکتے پر سب سے گہری نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے جب حضرت عمر فاروق کو اپنا جانشین مقرر کیا اور بعض صحابہ کرام نے آپ کی سختی کی گزارش کی تو آپ نے فرمایا جب ان پہ ذمہ داری آئے گی تو وہ سخت نہ رہیں گے ۔ لوگوں کی خیرخواہی ان کے دل میں موجزن ہوگی اور دنیا نے دیکھا کہ پھر ایسا ہو کر رہا۔

صدیق ربط رسالت میں جس طرح مقام انتہا پر ہے محدث ربط ملاءِ اعلیٰ میں سب سے اونچے درجے پر ہوتا ہے اس کا دل حظیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس پر بہت سے ایسے امور کا عکس پڑتا ہے جو کہ عرصہ بعد نبی کے توسط سے شریعت بن جاتے ہیں کتنے امور ہیں جن میں وحی خداوندی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی اور حضرت عمرؓ نے ادباً کہا کہ میں نے اپنے رب کی موافقت کی ہے ۔

اولیاء اللہ جب اس خاص جہت سے بولتے ہیں تو یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی ذات میں فنا اور ذات احدیت میں بالکل کھو چکے ہوتے ہیں۔

رہی جب تک خودی اس کو نہ پایا جب اسکو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے

ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے متعلق ماذون اور مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کو حق پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔ معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے [1]

ربط ماءُ اعلیٰ کے اعتبار سے یہ حضرت عمرؓ کا مقام تھا کہ حضورؐ کے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے۔ ربطِ رسالت میں کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور آپؐ کے سب سے قریب وہی ہوسکتا تھا جو "ارحمہ امتی بامتی" کا مصداق ہو اور جس پر اللہ کے جلال کا پرتو پڑا ہو وہ اشدھم فی امر اللہ کا مصداق ہوگا۔ ویسے تو یہ دونوں بزرگ خدا اور رسول کے ہی تھے لیکن ایک ربط رسالت سے زیادہ ممتاز ہوا اور دوسرا ربطِ خداوندی سے ایسا مربوط کہ کلام ناقرید میں اس کا وصف پہلے مذکور ہوا حضورؐ نے ان دونوں کو اس ترتیب سے ذکر کیا ہے ارحمہ امتی بامتی ابوبکر و اشدھم فی امر اللہ عمر۔ لیکن اللہ تبارک وتعالےٰ نے اشد ہونا حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کی پہلی صفت بیان کی پہلے اشداء علی الکفار فرمایا اور پھر دوسری صفت رحماء بینھم ذکر کی عجیب شان ہے ہر ایک اپنے اپنے کو پہلے لا رہا ہے۔

زمین و آسمان کو مخاطب کرنا کس کی شان ہے؟ اللہ رب العزت کی۔ یہ عالم تکوین کے دائرے ہیں جو اسی کے حکم سے گھوم رہے ہیں۔

ہواؤں اور پانیوں کو حکم دینا عالم تشریع کی بات نہیں۔ عالم تکوین کی ایک کڑی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس روحانی مقام پر تھے کہ ہوا کو کہیں تو وہ ہزاروں میلوں سے ساریہ کے کانوں سے جا ٹکرائے اور پانی کو حکم دیں تو دریائے نیل کو خط لکھیں اور پھر وہ ایسی چال چلے کہ اب تک خشک نہ ہو۔ یہ اندازِ خطاب اور یہ حکم حاکم آپ نے انسانوں میں بہت کم سنا ہوگا۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

---

[1] صراط مستقیم ص۱۱۳

محدّث عالم تشریع کے تحت

محدّث عالم علوی کے اس ربط کے باوجود نبوت کی پیروی کا مکلف ہے سو اعزازِ نبوت کے لیے ضروری تھا کہ نبوت پر بھی کبھی تکوین کی جھلک اترے اس بارے میں دیکھیے تو پیغمبر پہاڑوں کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے

اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق و شہیدان ؎

ترجمہ :۔ اے احد پہاڑ سکون اختیار کر اس وقت تجھ پر ایک نبی ، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں لہ

یہاں حضرت ابوبکر صدیق کے لیے لفظ صدیق لسان رسالتؐ کی تصدیق ہے۔ حضرت عثمانؓ کو لسانِ رسالتؐ نے شہید کہا ہے۔ معلوم ہوا حضرت عثمان سے اقالہ بیعت کا مطالبہ کرنے والے سب ظالم تھے اور حضرت عثمانؓ اس میں مظلوم، ورنہ لسانِ شریعت ان کے لیے شہید ہونے کا فیصلہ نہ دیتی - حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں اس وقت احد پہ دو شہید حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہما تھے۔ احادیث میں عام طور پہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ذکر اکٹھا ہوتا ہے اور یہاں حضرت عمر اور حضرت عثمان یکجا جمع ہیں۔ یہ حضرت عثمانؓ کی فضیلت ہے کہ لسانِ رسالتؐ نے انہیں حضرت عمر کے ساتھ ملایا

عزت اور ذلت تکوینی فیصلے ہیں

دنیا میں اقتدار اور ماتحتی ، عزت اور ذلت ، دولت اور غربت سب الٰہی فیصلے ہیں اور تکوینی امور ہیں۔ قرآن کریم میں ایک دعا یہ بھی ہے ۔

اللھم ملک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر ۞ (پ آل عمران ع ۳ آیت ۲۵)

ترجمہ :۔ اے مالک الملک تو جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے لے لے اور

لہ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۱۹

جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہاتھ میں ہے ہر بھلائی اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے

حضرت عمرؓ کے اسلام میں آنے سے اسلام کو عزت ملی۔ چالیس کا عدد پورا ہوا کھلے بندوں نماز ہوئی ـــــ یہ تغیرات سب عالم تکوین کا پرتو ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو انہیں مانگا ہی اسلام کی عزت کے لیے تھا اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب اور آپ کے اسلام میں آنے سے یہ مقصد پورا ہو کر رہا۔ اسلام کو آپ سے عزت مل کر رہی۔ حدیبیہ میں حضورؐ نے پہلے حضرت عمرؓ کو سفیر بنانا چاہا مگر علم الٰہی میں یہ طے تھا کہ کفار اس سال مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیں گے۔ حضرت عمرؓ کا اس فیصلے کو لے کر لوٹنا اس عزت اسلام کے خلاف تھا۔ جس کا آپ پیکر تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں بات ڈال دی اور انہوں نے حضورؐ کے سامنے معذرت کر دی اور پھر حضرت عثمانؓ سفیر اسلام بن کر مکہ بھیجے گئے تھے۔ آپؓ حیا کا پیکر تھے سو بات ایک صلحنامے پر ختم ہوئی۔ اور اگلے سال مسلمانوں کو حج کرنے دیا گیا۔

انعام الٰہی پانے والے چار طبقے

قرآن کریم میں انعام پانے والے صرف چار سبقوں کا ذکر ہے۔ (۱) انبیاء (۲) صدیقین (۳) شہداء اور (۴) صالحین۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ برحق کی اطاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے حسب حال انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت عطا فرمائیں گے اور یہ بہت اچھی رفاقت ہے۔ رب العزت فرماتے ہیں۔

فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین و الصدیقین والشھداء والصالحین و حسن اولئک رفیقا۔ (پ ۵ النساء ع ۹ آیت ۶۹)

ترجمہ:۔ سو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پہ اللہ انعام کر چکا نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہداء میں سے اور صالحین میں سے اور ان لوگوں کی رفاقت بہت اچھی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چار طبقوں میں سے محدث کس طبقے میں شامل ہے۔ اس طبقے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک محدث نبیوں کے ساتھ ملحق ہے دوسرے علماء کے نزدیک وہ صدیقوں کے ساتھ شامل ہے، صدیقیت

اور محدثیت میں اخوت کی نسبت ہے اور یہ دونوں آپس میں بہت قریب ہیں یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں جو تعلق اور قرب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو آپس میں تھا وہ کسی اور دو صحابیوں کو حاصل نہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

و از لوازم خلافت خاصہ آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نص فرمائند کردے از طبقہ علیائے امت است از صدیقین یا شہداء وصالحین و محدث نیز شقیق صدیق است و بیک اعتبار داخل در مدٰے یا بیان علو درجہ او در بہشت فرمودہ باشند و ایں لازم بودن شخص است از طبقہ علیائے امت یا رائے او موافق باشد با وحی وآیات کثیرہ بروفق رائے او نازل شدہ باشد و ایں معنی نیز لازم بودن شخص است از طبقہ علیا۔ یا بتواتر ثابت شود کہ سیرت او در عبادات و تقرب الی اللہ اکمل است از سیرت سائر مسلمین ست (ر سکہ ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص۵۰)

ترجمہ:۔ اور لوازم خلافت خاصہ میں سے ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کا اُمت کے کے اونچے طبقہ میں سے ہونا صدیق ہونا یا شہید ہونا یا صالح ہونا صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے اور محدث بھی صدیق کا ہم رُتبہ ہے اور ایک اعتبار سے محدث، صدیق کی تعریف میں ہی داخل ہے یا شارع علیہ السلام نے اس کا بہشت میں اونچے درجے میں ہونا بتلا دیا ہو اس سے بھی اس شخص کا امت کے اونچے درجہ میں سے ہونا ثابت ہوجاتا ہے یا وہ ایسا شخص ہو کہ اس کی رائے وحی کے مطابق پڑتی ہو اور بہت سی آیتیں اس کی رائے کے مطابق اتری ہوں اور اس سے بھی اس کا امت کے اونچے طبقہ میں سے ہونا لازم آتا ہے۔ یا تواتر سے معلوم ہو چکا ہو کہ اس کی سیرت عبادات اور قرب الٰہی کی منازل میں باقی سب مسلمانوں سے ممتاز ہے وہ خصائل پسندیدہ، بلند مقامات، روشن حالات اور کرامات واضحہ سے کہ آج کل آپ صوفیہ کے طریق سے موسوم کرتے ہیں، آراستہ ہو۔ یہ وہ امور ہیں جنہیں صاحب قوت القلوب اور دوسرے حضرات نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر بات کو احادیث و آثار سے مدلل کیا ہے اور یہ امور بھی صدیقین اور شہداء میں سے ہونے کی دلیل ہیں اور یہ امور خلیفہ میں اس لیے مطلوب ہیں کہ اس کی ظاہری سرداری باطنی سرداری سے ملی ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری مشابہت پائی ہو۔ اور وہ آیت کریمہ (پ ۲۶

الفتح آیت ۲۹) کے تحت اور آیت (پ۶ المائدہ ع ۸ آیت ۵۴) کے تحت داخل ہو جائے ان تمام باتوں کا خلفائے اربعہ کے لیے ثابت ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے اور بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس آخری جملہ کے حضرت شاہ صاحبؒ کے فارسی الفاظ یہ ہیں

وثبوت ایں معنی برائے خلفائے اربعہ از ضروریات دین است وثابت باحادیث بے شمار [1]

حضرت شاہ صاحبؒ نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے محدّث کو صدیق کی تعریف میں داخل کیا ہے ورنہ محدثین تو اس باب میں انبیاء سے ملحق ہیں۔ اصل سعادت کا سب سے اونچا مقام انہی حضرات (انبیاء و محدثین) کا ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔

ان افضل اهل السعادة من البشر الانبياء ومن في حكمهم من المحدثين ثم الحكماء ثم اصحاب الولاية الكبرى ثم اصحاب الولاية الصغرى [2]

ترجمہ:۔ انسانوں میں بہترین اہلِ سعادت انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے حکم میں داخل محدثین ہیں۔ پھر حکماء اسلام ہیں۔ پھر ارباب ولایت کبریٰ اور ان کے بعد عام درجے کے اولیائے کرام ہیں۔



---

[1] ازالۃ الخفا ص۵۱ [2] عبقات ص۲۱۱